منیب الحسن
لیکچرار، شعبۂ اردو،
گلستانِ جوہر ڈگری کالج، کراچی

اکیسویں صدی کے پاکستانی اردو ناول میں فرد کی داخلی کش مکش کی عکاسی کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

Abstracts

Internal struggle of characters in 21st century Pakistani Urdu novels: A research and critical study

By Munibul Hasan, Lecturer, Gulistan-e-Jauhar Degree College, Karachi

Pakistani Urdu Novel has a vast range of subject matter and themes. Partition of sub-continent has given many issues tofoster ideas but 21st century has produced immense diaspora of modern tendencies for writers of Urdu Novels.9/11 was a major tragedy in the starting of this century and contrary to this Pakistan has faced several issues after becoming a front-line partner in war against terrorism. Identity crisis was also a major theme of this century. Political and social conditions have been on turmoil since the very inception of this century so our modern writers of Urdu Novels have changed their vary topics in which the internal struggle of the central character is an important one. This article discusses selected Urdu Novels in which through the lens of central character internal struggle has been penned down. These novels also portray social and political arena of Pakistan.Modern sensuousness is also a major theme which make them an alternative piece of history. The aim of this study is to critically analyze important characters in Pakistani Urdu Novels and with the help of them one may try to understand the tragedy of modern men.

Keywords:21st century, Modern sensuousness, Internalstruggle, Identity crisis,9/11, Alternative history, Modern men

---

اُردو ناول کا ارتقا ہندو پاک کی سماجی زندگی کے انقلاب کا ایک مظہر تھا، کیونکہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں نے سماجی تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ یہی وہ موقع تھا کہ جب داستانوی ادب کو زوال آنا شروع ہوا اور زندگی کے مظاہر کو مافوق الفطرت کرداروں سے نجات ملی۔ اُردو مثنوی میں داستانوی عناصر کے ارتقا نے ہر حقیقت نگار کو کرداروں کے ایک طلسم کدہ کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کیا اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اُردو ناول کی ابتدا میں کرداروں کی بُنت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ نذیر احمد دہلوی کے ناولوں کا بغور جائزہ لینے پر پتا چلتا ہے کہ وہ محض اخلاقی قصّے نہیں تھے بلکہ ان میں(Change of heart) ماہیت قلب)نامی تکنیک کا استعمال ملتا ہے۔ اردو ناول بنیادی طور پر ہندوستان میں جدید انسان کے طرز احساس سے ہی جنم لیتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی اردو ناول میں انسان کی زندگی کے مکمل بیان کے ساتھ ساتھ سماجی رویہ بھی پیش کیا جاتا رہا ہے۔ سماجی زندگی کے مظاہر انسان کی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں، ان کی پیش کش بھی اردو ناول کے ارتقائی سفر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اُردو ناول کے ابتدائی دور میں موضوعات کا چناؤ آسان نظر آتا ہے کیونکہ سماجی زندگی کی مثالیں موجود تھی۔ بیسویں صدی میں پریم چند کے لیے موضوعات کا چناؤ ان کی تحریکی زندگی کے سبب آسان رہا۔ لہٰذا بازارِحُسن، بیوہ اور غبن میں ایک ایسا جدید انسان نظر آتا ہے جو اخلاقی مقاصد سے ناآشنا ہے اور سوچتا جانتا ہے۔ پریم چند کے ناولوں کا ایک اور پہلو جدید زندگی کے المیے میں ہمیں نظر آتا ہے جس کے لیے انھوں نے دیہی اور شہری زندگی کی عکاسی کی طرف توجہ دی اور فرد کی داخلی کشمکش کو موضوع بنایا، اس سلسلے کا پہلا ناول گئودان ہے جس کا مرکزی کردار ہوری ہے اردو ناولوں کے کرداروں کی فہرست میں ہوری ایک رجحان ساز کردار ہے۔ ناول کا المیہ اس کے گرد گردش کرتا نظر آتا ہے۔ ہوری ایک مقامی کردار ہے، اس کے ذریعے ہمیں ہندوستان کا مظلوم طبقہ نظر آتا ہے، جو سماجی پابندیوں، معاشی مسائل اور دیہی و شہری زندگی کی کشمکش میں جکڑا ہوا ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں سائنسی ایجادات کا تنوع اس بات کا غماز تھا کہ انسانی زندگی کو سہل بنانے کے لیے سائنس کی کاوشیں جاری رہیں گی، لہٰذا ابتدائی ناول نگاروں نے اس پہلو کی طرف بھی توجہ کی اور مغربی ادب سے استفادہ بھی جاری رکھا۔ مغرب میں یہ وہ زمانہ تھا کہ جب (Canon) کی تشکیل ہو چکی تھی اور مستند ناول نگاروں کے فن کو مقبولیت عام حاصل تھی لہٰذا انگریزی کے خلاق ناول نگاروں کے فن کی بازگشت برّصغیر کے ناول

نگاروں کی تخلیقات میں بھی نظر آتی ہے۔اس فہرست میں پروفیسر عزیز احمد کا نام سب سے پہلے لیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر عبد السلام نے عزیز احمد کے فن میں مغربی ناول نگاروں سے استفادہ کرنے کا جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ:

> "نقاد، ڈی ایچ لارنس سے ان کا رشتہ ملانے میں حق بجانب ہیں ان کے ناول مغرب پرستی کے ایک نئے رجحان کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان کے ناولوں میں شعور کی رو، فرد کی داخلی زندگی اور نفسیاتی مسائل کی عکاسی نظر آتی ہے۔"(۱)

اسی دور کے ایک اہم ناول نگار سجاد ظہیر ہیں۔ ان کا ناول لندن کی ایک رات عزیز احمد کے ناولوں پر نت نئے تجربات کے حوالے سے سبقت لے جاتا ہوا نظر آتا ہے۔ واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے سجاد ظہیر نے اس ناول کو اُردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایک ایسا انوکھا تجربہ تسلیم کروایا کہ جس کی مثال ناپید تھی۔ فرد کی داخلی کش مکش اس ناول کے المیے کو جنم دیتی ہے، لیکن سجاد ظہیر نے ناول کے ذریعے ہماری سماجی زندگی کی اس طرح عکاسی نہیں کی جیسی عزیز احمد کے ناولوں میں ہمیں نظر آتی ہے، اس لیے اردو ادب میں سجاد ظہیر کا ناول رجحان ساز حیثیت حاصل نہ کر سکا اور فرد کی داخلی کش مکش ناول کے ذریعے پیش کرنے کے ضمن میں عزیز احمد کے ناول اولین نمونہ قرار پاتے ہیں۔ عزیز احمد نے زندگی پر تبصرہ پیش کرنے کا انوکھا طریقہ اپنایا ہے جو اُردو ناول میں نئی چیز ہے۔ دکن کی اشرافیہ کو اس سے پہلے ناولوں میں کسی نے پیش نہیں کیا تھا، عزیز احمد اس طرز کے بانی ہیں۔ عزیز احمد کا ناول ایسی بلندی ایسی پستی اردو میں اجتماعی تجربات کے حوالے سے اہم اور رجحان ساز ناول قرار دیا جاتا ہے۔ اردو میں اس نوعیت کے ناول کم ہیں لیکن یہ تجربہ کامیاب رہا اور اسی نوعیت کے چند ایک اور ناول لکھے گئے جن میں، سنگم، شام اودھ قابل ذکر ہیں۔

پاکستانی اردو ناول نگاری میں بھی فرد کی داخلی کش مکش کو پیش کرنے کے لیے کئی تجربات کیے گئے لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اداس نسلیں، چلتا مسافر، دستک نہدو، راکھ، دھنی بخش کے بیٹے، خس و خاشاک زمانے، آنگن جیسے ناول تخلیق ہوئے جو اپنی نوعیت کے انوکھے تجربات میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ جدید پاکستانی اُردو ناولوں میں بھی موضوعات کا برتاؤ، کرداروں کی بُنت اور فرد کی داخلی کشمکش اپنی پوری بوقلمونی کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔ اکیسویں صدی کے پاکستانی اردو ناول میں سماجی کش مکش ایک بنیادی تلازمے کی حیثیت رکھتی ہے جس کی عکاسی کرتے ہوئے ضمنی طور پر معاشی مسائل، دہشت گردی کے عفریت، سماجی پابندیوں کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ذیل میں اکیسویں صدی کے ایسے ہی منتخب پاکستانی اردو ناولوں کے ذریعے فرد کی داخلی کش مکش کی عکاسی و دیگر سماجی کش مکش کے موضوعات کا مطالعہ کیا جائے گا۔

”میر واہ کی راتیں“ از رفاقت حیات

رفاقت حیات کا نام کراچی کے ادبی حلقوں کے لیے نیا نہیں۔ ان کا افسانوں کا مجموعہ خوامخواہ کی زندگی شہرزاد سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اجمل کمال کی زیر ادارت نکلنے والے رسالے آج کے شمارہ ۸۸ میں ان کے ناول میرواہ کی راتیں کو اردو ادب میں ایک نیا تجربہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ حالیہ دنوں میں ان کا ایک ناول رولاک بھی منظر عام پر آیا ہے۔ اس ناول میں بھی فرد کی داخلی کش مکش کا ایک نیا پہلو ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس نوعیت کے ناول اردو میں چند ایک ہی ہوں گے جس میں ہیرو اور اینٹی ہیرو (Hero, Antihero) باپ اور بیٹا ہوں، یہ ناول علیحدہ سے موضوعاتی مطالعے کا متقاضی ہے۔

میرواہ کی راتیں نامی ناول کا ایک تکون کرداروں کے درمیان بنا ہوا ہے۔ نذیر، چاچا تنویر اور اس کی بیوی ہر منظر میں نہ ہوتے ہوئے بھی موجود ہوتے ہیں مگر ان تینوں کا المیہ الگ ہے۔ نوجوانی کی لہروں پر ڈولتا نذیر کا جسم کسی میں سمانے کے لیے بے چین ہے مگر ہر بار اس کا نشانہ غلط ہو جاتا ہے۔ اس ناول کا اختتام نذیر کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہونے پر ہوتا ہے مگر اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے نذیر کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑا یہ ایک الگ موضوع ہے۔ سماجی پابندیوں کی عکاسی کرتا یہ ناول ہمیں بتاتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں جنس کو کس قدر مکروہ سمجھا جاتا ہے اور اس کے بیان کو اب تک ناپسندیدہ کیوں سمجھا گیا ہے؟ یہ ناول سماجی اعتبار سے کسی حد تک بغاوت پسند ہے لیکن اس کی پیروی کرتے ہوئے اردو میں اس نوعیت کے چند ایک ہی تجربات سامنے آئے جن میں مذکورہ مصنف کا حال ہی میں شائع ہونے والا ناول رولاک شامل ہے۔

اس ناول میں موضوعاتی اعتبار سے بالغ النظری کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور کسی حد تک Taboos کو زیر بحث لایا گیا ہے کیوں کہ جدید انسان کی زندگی سے جڑا ایک موضوع جنس اور اس کے متعلقات بھی ہیں لیکن موضوعاتی تنوع کے بعد فرد کی داخلی کشمکش ایک ایسا مرحلہ ہے جس کی عکاسی ناول میں کی جانی ضروری ہے۔ اس ناول میں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جنس کے بیان کو الفاظ کی چاشنی کے بجائے سیدھے اسلوب میں بیان کر کے نفسیاتی سطح پر اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ قاری اس کش مکش، اس منظر نامے کو محسوس کرے جس سے مرکزی کردار گزر رہا تھا۔ مرکزی کردار کی داخلی کش مکش کی عکاسی کے لیے الفاظ کے چناؤ کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے:

> ”اس کے رگ و پے میں دوڑنے والی گرمی دھیرے دھیرے ختم ہو گئی مگر ایک عجیب سی سنسنی اب بھی باقی تھی۔ اس کی زندگی میں ایسی مضطرب اور اذیت بھری رات نہیں آئی تھی۔“[۲]

ایک جوان ہوتے جسم میں موجود دماغ کا منظر نامہ اس سے بہتر الفاظ میں تشکیل نہیں دیا جاسکتا اور اسے ہی

جدید حسّیت کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اُردو میں اس قسم کے تجربات عزیز احمد، احسن فاروقی، قرۃ العین حیدر اور عصمت چغتائی کر چکی ہیں اور پاکستانی اردو ناول میں عبد اللہ حسین کے ناول بھی اس فہرست کا حصہ ہیں لیکن اسے فرد کی داخلی کش مکش کے بجائے نیچرل ازم (Naturalism) سمجھا گیا۔ پروفیسر عبد السلام لکھتے ہیں کہ:

> ''نیچرل ازم پر عقیدہ رکھنے والا اصولی طور پر زندگی میں کسی قطع بُرید کا قائل نہیں ہوتا۔ وہ قصّے کے لیے ڈھانچہ تیار نہیں کرتا۔ کوئی خاکہ مرتب نہیں کرتا۔''[۳]

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رفاقت حیات کے ناولوں میں جدید حسیت، جنس کے موضوعات فرد کی داخلی کش مکش کو پیش کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے پاس سندھ کا مقامی بیانیہ اور ثقافتی تنوع بھی موجود ہے، اس لیے ان کے ناول مقامی قاری کو اپنے منظر نامے سے زیادہ قریب محسوس ہوتے ہیں۔

''گرد باد'' از عاطف علیم

معاصر اردو ادب میں محمد عاطف علیم کی پہچان ان کے افسانوی مجموعے شمشان گھاٹ ۲۰۰۰ کے ذریعے ہوئی۔ اس مجموعے کے افسانے ہماری قومی طرز فکر کے عکاس ہیں، ان کے کردار ہمیں اپنے آس پاس گردش کرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کا اردو ناول کے قاری کے لیے پہلا تعارف مشکپوری کی ملکہ نامی ناول ہے۔ اس ناول میں ایک شیرنی کے کردار کے ذریعے صرف شکاریات کی مہم جویانہ کہانی نہیں لکھی گئی بلکہ جانوروں کے مسکن تباہ کرنے کے ہمارے رویوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ شیرنی کے آدم خور ہونے کی وجہ ہم انسانوں کا توسیع پسندانہ رویہ ہی تھا جس نے اس بے ضرر مخلوق کو انسانوں سے نفرت کرنے والا بنادیا۔

ان کا دوسرا ناول گرد باد ۲۰۱۷ میں منظر عام پر آیا، یہ ناول ایک سماجی دستاویز ہے، جس میں پاکستانی سماج کا منظر نامہ ہے۔ ہماری قومی تاریخ کے فیصلہ کن سال اس ناول کے ذریعے ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ بیسویں صدی کی آخری دو دہائیاں پاکستان کے لوگوں کے لیے کس قدر مشکل تھیں، ان کا بیان اس ناول کو مقامی بیانیے سے جوڑتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار موجو ہے جو ناول کے آخر میں چوہدری موج دین بن گیا، لیکن اس کے ساتھ دیگر کئی کردار بھی ناول کے اہم موقعوں پر مرکزی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کرداروں پر مصنف نے اپنی مرضی نافذ نہیں کی۔ یہ ضمنی کردار ناول کو مزید دل چسپ بناتے ہیں۔ ان سب کی ہڈ بیتی کا ایک حصہ ناول میں ملتا ہے۔ اس ناول میں جنسی، سماجی، معاشی تناؤ بھی نظر آتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ مابعد جدید معاشرے میں موضوعات کی کمی نہیں ہے۔ سماجی کش مکش، معاشرے کی پابندیاں اور معاصر تاریخ کے کردار اس ناول کو ایک اہم مطالعے کی طرف لے جاتے ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس ناول پر ہونے والی تنقید و تحقیق پریشان کن حد تک کم ہے۔

ناول کا اہم حصہ موجو کے اعترافات ہیں۔ ان میں سے ایک اعتراف جدید انسان کی داخلی کشمکش کا نمونہ ہے۔ اس اعتراف کو بغور پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس عمل سے بچ نہیں سکا، لیکن اس کا اعتراف کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

> "میری ذات میرا لباس تھی لیکن میں نے اپنا لباس اُتار کر بیچ دیا اور ننگا ہو گیا۔ اس سماج نے میرے لباس کے سودے کر لیے اور مجھے اس بدبودار دلدل میں خود کو بسانے پر مجبور کر دیا لیکن یہ سب میں نے دل سے نہیں کیا۔"[۴]

عصری رُجحانات کے حوالے سے اس ناول کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ فرد کو معاشرے سے شکست کیوں ہوتی ہے اور کیسے داخلی کشمکش کے ذریعے کسی کردار کا اندرونی منظر نامہ دکھایا جا سکتا ہے۔ یہ ناول ہمیں بتاتا ہے کہ دولت کی فراوانی کے ذریعے پاکستانی سماج میں شناخت بدلنا کس قدر آسان ہے، نیز سماجی اقدار کی پابندی کس طبقے پر لازم ہے اور کس پر نہیں کیوں کہ چوہدری موج دین کا حسب نسب سب نے فرضی ہوتے ہوئے بھی قبول کر لیا لیکن موجو کے اعترافات کسی کو قابل قبول نہیں تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں طبقاتی کش مکش کی جڑیں کس قدر گہری ہیں۔

"نو لکھی کوٹھی" از علی اکبر ناطق

قائم دین (افسانہ) اور سبز بستیوں کے غزال (غزل) جیسی کُتب کے خالق علی اکبر ناطق کی پہلی کہانی بھی اجمل کمال کے رسالے آج میں شائع ہوئی جبکہ انھیں عالمی شہرت Branta-Pakistan میں چھپنے کے بعد ملی۔ علی اکبر ناطق غزل، نظم اور افسانے کے میدان کے بعد جب ناول کی طرف توجہ کریں تو سمجھا جا سکتا ہے کہ ناول میں بات کہنے کے کس قدر مواقع موجود ہیں۔ ناول دراصل وحدتِ عمل کا نام ہے اور میلان کنڈیرا کے مطابق قاری ایسے ناول کا تصور نہیں کر سکتا جس میں وحدتِ عمل نہ پائی جاتی ہو۔ اس کے نزدیک:

> "ناول کی حیثیت وجود پر ایک گیان دھیان کی ہے۔ وہ وجود جسے خیالی کرداروں کے سہارے دیکھا گیا ہو۔"[۵]

نولکھی کوٹھی، کماری والا، کوفہ کے مسافر علی اکبر ناطق کے ناول ہیں۔ ان ناولوں کو قارین کی پسندیدگی حاصل رہی ہے۔ ان ناولوں پر بات کی جانی اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان میں مقامی بیانیے کے ساتھ ہماری متبادل تاریخ کا ایک پہلو موجود ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے، ان کے ذریعے ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ نصابی کتب میں پڑھائی جانے والی تاریخ معصوم اذہان کو حقیقت سے کیسے دور کر رہی ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ان ناولوں

میں کرداروں کی داخلی کش مکش کے سہارے معاشرتی اور ریاستی جبر کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

نولکھی کوٹھی نامی ناول میں علی اکبر ناطق نے پنجاب کے چٹیل میدانوں اور سر سراتی ہوا کو قید کرنے کا جو کارنامہ سر انجام دیا ہے، اس کی روئیداد کچھ یوں شروع ہوتی ہے کہ ولیم نامی انگریز تقسیم برصغیر سے قبل اپنی تعیناتی کے سلسلے میں ایک ایسے گاؤں جا پہنچتا ہے جہاں شریکوں کے حملے کے نتیجے میں ہاہاکار مچی ہوئی تھی۔ یہاں سے یہ کہانی میری یا آپ کی نہیں رہتی، بلکہ تقسیم سے پہلے کا پورا برّصغیر اس میں سانس لیتا نظر آتا ہے اور ولیم نے برّصغیر میں مستقل سکونت کیوں اختیار کی، یا کمیونل ایوارڈ کے اعلان سے انگریزوں کو کیا نقصانات ہوئے، ان سب کا جواب اس ناول میں موجود ہے۔

نولکھی کوٹھی جدید انسان کا المیہ تو نہیں البتہ اس میں جدید حسیت ضرور نظر آتی ہے۔ گرچہ اس کا نفس مضمون تقسیم سے جڑے معاملات پر ہے مگر تخیل کی کارپردازی نے فاضل مصنف کو تاریخ کے جھروکوں میں جھانکنے پر مجبور کیا کہ جس کی وجہ سے غیر منقسم پنجاب کا ایک علیحدہ نقشہ بھی ناول میں مرتب ہو گیا ہے۔

موضوعاتی تنوع اور فرد کی داخلی کشمکش کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تقسیم کا موضوع اُردو داں طبقے کے لیے نیا نہیں مگر ایک انگریز نے تقسیم کو کس طرح محسوس کیا اور اس نے واپس جانے سے کیوں انکار کیا؟ یہ پہلو برتنا شاید اس سے پہلے ناممکن رہا ہو گا۔ ولیم کا کردار روایتی ہیرو کا کردار نہیں، کبھی کبھار تو اسے ناول میں ثانوی حیثیت سے بھی نہیں نوازا گیا لیکن ناول کا اختتام ولیم کے ہی المیے پر ہوتا ہے جو بذاتِ خود اس کے اہم ہونے کی مثال ہے۔

> ”بہت سی چیزیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتیں، تم حالتِ نزع میں پڑے انسان کو نہیں کہہ سکتے کہ اب مرنے سے انکار کر دے۔“(٦)

اس ناول میں ہمیں مقامی کردار کے روپ میں ایک انگریز نظر آتا ہے، یہ کردار ناول کے ہر اہم لمحے میں موجود ہے لہذا اس کی داخلی کش مکش کو ہم جدید حسیت اور کردار نگاری کا ایک نمونہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس ناول کے ذریعے ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ تقسیم کا موضوع اب تک ہمارے تخلیق کاروں کو کس طرح متاثر کر رہا ہے اور وہ اسے برتنے کے لیے کس طرح کا منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں۔

”چار درویش اور ایک کچھوا“ از سید کاشف رضا

”باغ و بہار“ اور ”قصہ چہار درویش“ کا نام اُردو ادب سے جُڑے کسی قاری کے لیے نیا نہیں، لیکن عصر حاضر میں ان درویشوں کو ایک ساتھ جُڑنے کا موقع کسی بادشاہ کے بجائے ایک کچھوا فراہم کرتا ہے۔ سیّد کاشف

رضا مغربی ادب کے تراجم کے ذریعے اپنی جگہ پاکستانی ادب کے معاصر منظر نامے میں بنا چکے ہیں۔ عالمی شہرت یافتہ مفکر نوم چومسکی (Noam Chomsky) کی کتاب *The Culture of terrorism* کا اردو ترجمہ "دہشت گردی کی ثقافت" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ رسالہ آج کے شمارہ نمبر ۱۰۲ میں چار درویش اور ایک کچھوا کے نام سے شائع ہونے والا آپ کا پہلا ناول مکتبہ دانیال سے کتابی صورت میں بھی شائع ہوا ہے۔

میلان کنڈیرا، ای۔ ایم۔ فورسٹر اور بورخیس جیسے ناقدین و نابغین کا حوالہ نہ صرف اُردو کے روایتی قاری کے لیے نیا ہے بلکہ ان کی کہانی کے بارے میں مستند رائے کو بھی زندگی کے پہلو سے جوڑ کر ناول کا حصہ بنایا گیا ہے۔ سیّد کاشف رضا کا ناول گویا حوالہ جات کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے کہ جس میں ہر بات کا کوئی حوالہ موجود ہے اور ہر حوالے کا حوالہ اس ناول کو کبھی کبھار معنی کا چیستاں بھی بناتا ہے لیکن اس ناول میں مرکزی نقطے سے سب جڑے رہتے ہیں۔

یہ ناول نہ ہی سیاسی ہے اور نہ ہی سماجی، یہ تو جدید فرد کے پہلوؤں کا ایک احوال ہے کیونکہ اس میں محبت، جنس، تاریخ اور سیاست کو روایت سے ہٹ کر دیکھا گیا ہے۔ سرکاری افسران کو رشوت دینے اور لینے کے کون کون سے طریقے ازبر ہیں اور عام فرد کی زندگی کو کس طرح اس کے متعلقات کے ساتھ جڑ کر دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ سب اس ناول کا خاصّہ ہے۔ آفتاب کی محبت ہو یامائی کے پاس موجود پُراسرار کچھوا، کرداروں کا ایسا طلسم کدہ بن جاتا ہے کہ یہ ناول اخباری خبروں کی طرح تر و تازہ نظر آتا ہے۔

چار مختلف کہانیوں کو ایک نقطہ ارتکاز پر جس طرح یکجا کیا گیا ہے ان کو محسوس کریں تو ایسا لگتا ہے کہ ناول نگار مارسل پراؤست (Marcel Proust) کے فن سے بہت متاثر ہیں، لیکن اگلے ہی لمحے اس خیال کو جھٹک دینے کا دل چاہتا ہے کیونکہ کرداروں کی تعداد زیادہ ہونا ناول کی کامیابی کی ضمانت نہیں بلکہ ان کرداروں کا ایک ہی موضوع سے جڑے رہنا اس حیرت کدے کی بھول بھلیوں کا مسافر بناتا ہے کہ جس کی طرف جدید ناول نگار بڑھ رہا ہے۔

اس ناول میں باپ اور بیٹے کے درمیان چند مماثلتیں بھی پائی جاتی ہیں کیونکہ اقبال اور جاوید کی کہانی محض باپ بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں جُڑی ہوئی بلکہ ان کے درمیان جنسی معاملات کو لے کر بھی ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے کیونکہ باپ اور بیٹا دونوں ہی بھنورے کی سی صفت کے حامل تھے جس کا اعتراف جاوید کی ماں یوں کرتی ہے:

> "اقبال صاحب سے ان کی علیحدگی کا سبب بھی یہی تھا۔۔۔ تو انھیں غصّہ آنے کے بجائے تفاخر کا سا احساس ہوا۔"[۷]

پاکستان کی خاتون وزیر اعظم کے جلوس پر ہونے والے دھماکے سے لے کر وکلا تحریک تک اس ناول کا بیانیہ کئی بار بدلتا ہے اور ایک ایسی دُنیا کی سیر کرواتا ہے کہ جہاں جدید انسان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود

ہے۔ سیاسی سطح پر بھی یہ ناول پاکستانی تاریخ کے کئی ایک المیوں کو بیان کرتا ہے۔ ناول میں اردو زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کا باموقع استعمال بھی کاشف رضا کی خصوصیت ہے۔ اپنے والد اقبال محمد خاں کی پُراسرار موت کی گتھی کو آفتاب محض ایک انگریزی فقرے کے سہارے کس طرح سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا، یہ اس ناول پر توجہ مرکوز کرنے کا ایک اور ذریعہ ہے:

Why you had to do this. Alamgir.(8)

موضوعاتی لحاظ سے یہ چاروں ناول جدید حسیت، سماجی پابندیوں اور فرد کی داخلی کشمکش کے ایک اٹوٹ رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ البتہ ان تمام ناول نگاروں میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے کہ وہ کس طرح اپنی سرزمین کے لوگوں کو اپنی تخلیقات میں جگہ دینا چاہتے ہیں اور اس لیے ناول کا فن انھیں زیادہ موزوں نظر آتا ہے۔ ناول بذات خود ایک ایسا سانچہ ہے جو کڑوی حقیقتوں کے بیان کے لیے موزوں ہو سکتا ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر ملکی عصری ادب سے بھی جڑا ہوا ہو، کیونکہ میلان کنڈیرا نے لکھا ہے کہ:

> ''ناول کو بطور فن اختیار کرنے کے لیے ذاتی جمالیات کا موجود ہونا بے حد ضروری ہے جس کے ساتھ ساتھ ناول کو انسانی وجود کے نامعلوم پہلو کی نقاب کشائی کرنا لازم ہے۔''(۹)

پاکستانی اردو ناول نگاروں میں بھی مغربی ادب سے استفادے کی روایت موجود ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا جدید اردو ناول تازہ موضوعات سے پر نظر آتا ہے۔ سانحہ نائن الیون نے بھی ناول کو نئے کلامیے فراہم کیے ہیں اور ان غالب موضوعات میں شناختی بحران سمیت فرد کی تنہائی کا المیہ نمایاں ہے جن کی نشان دہی مذکورہ ناولوں میں کی گئی ہے۔

حواشی

۱۔ پروفیسر عبدالسلام، اُردو ناول بیسویں صدی میں، (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۳ء)، ص ۲۴۴
۲۔ رفاقت حیات، میرواہ کی راتیں، مشمولہ سہ ماہی آج، شمارہ ۸۸، اپریل ۲۰۱۵ء، آج کی کتابیں، کراچی، ص ۲
۳۔ پروفیسر عبدالسلام، اُردو ناول بیسویں صدی میں، ص ۴۸۰
۴۔ عاطف علیم، گردباد، (باب دہم)، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء)، ص ۱۳۹
۵۔ میلان کنڈیرا، ناول کا فن، انٹرویو: کرستیاں سالموں / میلان کنڈیرا، مترجم: عمر میمن، (کراچی: شہرزاد، ۲۰۱۷)، ص ۸۹۔۹۹
۶۔ علی اکبر ناطق، نولکھی کوٹھی، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، اشاعت دوم ۲۰۱۵ء)، ص ۴۲۶
۷۔ سیّد کاشف رضا، چار درویش اور ایک کچھوا، مشمولہ آج، شمارہ ۱۰۲، اپریل ۲۰۱۷ء، آج کی کتابیں، کراچی، ص ۴۵
۸۔ ایضاً، ص ۹۶

۹۔ میلان کنڈیرا، ناول کا فن، ص ۲۰۳

مآخذ

۱۔ عبدالسلام، پروفیسر، اُردو ناول بیسویں صدی میں، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۳ء

۲۔ علیم، عاطف، گرد باد، (باب دہم)، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء

۳۔ کنڈیرا، میلان، ناول کا فن، انٹرویو: کرستیاں سالموں / میلان کنڈیرا، مترجم: محمد عمر میمن، کراچی: شہر زاد، ۲۰۱۷ء

۴۔ ناطق، علی اکبر، نولکھی کوٹھی، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص ۴۲۶، ۲۰۱۵ء

جرائد

۱۔ سہ ماہی آج، شمارہ ۸۸، اپریل ۲۰۱۵ء، آج کی کتابیں، کراچی

۲۔ ______، شمارہ ۱۰۲، اپریل ۲۰۱۷ء، ______

Bibliography:

1. Abdus Salam, Prof., *Urdu novel Beesvin Sadi mein*, Karachi: Urdu Academy Sindh, 1973.
2. Aleem, Atif, *Gardbad* (Chap. 10), Faisalabad: Misaal Publishers, 2017.
3. Kundera, Milan, *Novel ka Fan*, Interview by Kristian Salmon, Trans. by Muhammad Umar Memon, Karachi: Shehrzade, 2017
4. Natiq, Ali Akbar, *Naulakhi Kothi*, Lahore: Sanjh Publications, 2015, 2nd Ed.